# ۸ لڑی میں پروئے ہوئے منظر

**یہ سبق پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:**

- نثر پارے کو فہم کے ساتھ پڑھ کر متعلقہ سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- عبارت کو اس کے اسلوب اور بیان کو پیش نظر رکھتے ہوئے خاص مقاصد کے لیے پڑھ سکیں۔
- مختلف تحاریر پڑھ کر ان کے مقاصد کی ترجمانی کر سکیں۔
- مختلف مقاصد کے لیے مرتب کردہ دفتری مواد (دعوت نامے، تہنیت نامے وغیرہ) کے متن کو پڑھ کر ان کے مقاصد و تحریر کی اہمیت سے واقف ہو سکیں۔
- مختلف تحاریر (روداد، مضامین، سفر نامہ، خطوط، اداریے، خبریں، رپورٹ، اشتہار وغیرہ) پڑھ کر ان میں عالمی مسائل کی نشان دہی کر کے ان کے حل کی تجاویز پیش کر سکیں۔
- رسمی و غیر رسمی خطوط کی تحریری یا برقی (ای میل کے لیے) تشکیل کر سکیں۔
- آپ بیتی، سفر نامے، معلوماتی رپورٹ اور یادداشت کے درمیان فرق کو سمجھتے ہوئے ان کی تحریر یا تخلیق کر سکیں۔
- کسی بھی رسمی و غیر رسمی (کالم، خبر، رپورٹ، تبصرہ، تذکرہ، تجزیہ وغیرہ) کی جزئیات کو سمجھتے ہوئے اس پر تنقید و تبصرہ کر سکیں۔

## پڑھیے

عجیب سڑک ہے یہ جرنیلی سڑک بھی۔

آپ اس پر چلیں اور شعور کی آنکھیں کھلی رکھیں تو جتنے اور جیسے منظر اس راہ میں آتے ہیں، شاید ہی کہیں آتے ہوں۔

آپ چلتے جاتے ہیں اور ایک نہایت آباد سرزمین کی معاشرت، معیشت اور تاریخ آپ کے ہم راہ چلتی ہے۔ کہیں حیرت آپ کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگتی ہے اور کہیں عبرت، منظر بدلتے جاتے ہیں مگر وہ لڑی نہیں بدلتی جس میں وہ سارے کے سارے پروئے ہوئے ہیں۔

میں پشاور سے چلا تو بالا حصار کے نیچے ایک پتھر لگا ہوا نظر آیا۔ اس پر بڑے بڑے حرفوں میں شاہ راہِ پاکستان لکھا تھا اور کسی وزیر کا نام لکھا تھا جس نے کبھی وہ پتھر وہاں لگایا ہوگا۔ کیسا دل چسپ اتفاق ہے۔ سڑک اور وزیر دونوں آنی جانی چیزیں ہیں۔

وادیٔ پشاور اب بھی بہت سرسبز نظر آ رہی تھی۔ جن زمینوں کو آتے جاتے لشکروں نے بار بار روندا ہوگا وہ اب تک ہری بھری تھیں۔ کبھی ریلوے لائن سڑک کے قریب آ جاتی تھی۔ کبھی بجلی کے بڑے بڑے کھمبے اور موٹے موٹے تار ساتھ ساتھ دوڑنے لگتے تھے۔ بستیاں آتی تھیں اور گزر جاتی تھیں۔ رمضان کا مہینہ تھا، ان کے چائے خانے بند پڑے تھے۔ اس تمازت کے عالم میں کہیں سے اچانک دریائے کابل آ گیا۔ یہ نوشہرہ کے قریب آ جانے کی پہچان تھی۔

یہ شہر شاید اکبر نے آباد کیا تھا۔ کبھی یہاں دریا کے دائیں کنارے پر نوشہرہ خُورد اور بائیں کنارے پر نوشہرہ کلاں، یہ دو گاؤں تھے۔ ایک سرائے بھی تھی جس میں جہانگیر ٹھہرا تھا۔ ایک قلعہ بھی تھا مگر تمام سرائیں اور تمام قلعے گزرتے قافلوں کی گرد میں مل کر خود بھی گرد ہو جایا کرتے ہیں۔

اب ہم وریا دریا چل رہے تھے۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی وہاں تک زمین تھی، اس کے آگے بھی زمین تھی اور ان ہی زمینوں میں وہ چھوٹا سا گاؤں، لاہور، آج بھی آباد تھا جس میں سنسکرت قواعد کا سب سے بڑا عالم پانینی پیدا ہوا تھا۔

کچھ اور آگے ایک اور گاؤں ہنڈ تھا اس مشینی دور میں یہ جاننے کی فرصت کسے ہے کہ یہی ہنڈ کبھی گندھارا کا پایہ تخت تھا۔ یہیں آ کر سکندر نے سندھ پار کیا اور چنگیز خاں یہیں سے دریا کا پاٹ دیکھ کر واپس چلا گیا تھا۔ یہیں محمود غزنوی نے پنجاب کے راجا جے پال کو شکست دی تھی۔ اسی کو مورخوں نے ہندوستان کا دروازہ کہا تھا۔ مگر اب یہ سندھ کے کنارے ایک گم نام سا گاؤں ہے جس کا ماضی تاریخ کی دھندلی چادر اوڑھ کر کبھی کا سو چکا تھا۔

اچانک خیر آباد آ گیا۔

سامنے دریائے سندھ شاہانہ انداز میں بہا چلا جا رہا تھا جس کے دوسرے کنارے پر عظیم الشان قلعہ اٹک تھا، اکبر اعظم کا اٹک بنارس، چار صدیوں کا عینی شاہد، کتنے ہی زمانوں کا چشم دید گواہ۔ اٹک کے قلعے میں اب فوج رہتی ہے اس لیے عام لوگوں کو اندر جانے کی اجازت نہیں، بہت سوچتا ہوں کہ اندر سے یہ قلعہ کیسا ہوگا۔ یہ بات خدا کے بعد شاید فوجیوں اور سیاسی قیدیوں کو معلوم ہوگی۔ اوّل الذکر سے دعا کرتا ہوں کہ قلعے کو اندر سے دیکھوں مگر آخر الذکر کا حال سنتا ہوں تو اپنی دعا واپس لے لیتا ہوں۔

یہاں ہماری گاڑی نے نئے پل کے راستے دریا پار کیا۔ انگریزوں کا بنایا ہوا لوہے کا پُل سامنے نظر آتا رہا۔ کبھی سارا ٹریفک اُس مضبوط پُل کے اوپر چلا کرتا تھا اور یُوں محسوس ہوتا تھا کہ گاڑی لوہے کے جنگل سے گزر رہی ہے۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ انگریز چلتے وقت بتا گئے تھے کہ ان کے تمام پلوں کی عمر پورے ایک سو برس ہوگی، اس کے بعد نئے پُل بنانا۔ جس روز میں اٹک پہنچا یہ پُل ایک سو دو سال پرانا ہو چکا تھا۔ موٹر گاڑیاں نئے پُل پر چلتی ہیں۔ ریل گاڑیاں اب بھی دعائیں دم کر کے اسی بوڑھے پُل پر سے گزاری جاتی ہیں۔

کہتے ہیں کہ اٹک کا یہ نام اکبر بادشاہ نے رکھا تھا۔ نام رکھنے کا اُسے بڑا شوق تھا۔ کسی جگہ کا خوبصورت منظر دیکھ کر اس کے منہ سے بے ساختہ ''واہ'' نکلی۔ اس مقام کا نام واہ رکھ دیا گیا۔ پھر چلتے چلتے اس کا قافلہ دریائے سندھ کے کنارے پہنچ کر اٹک گیا، وہ جگہ اٹک کہلائی، پھر قافلہ خیر سے پار اتر گیا وہ مقام خیر آباد کہلایا۔

اس کی ایک کہانی اور بھی ہے۔ اکبر نے اپنے پیش رو شیر شاہ سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ بہت سے کام جو اکبر نے کیے ان کی بنیاد شیر شاہ رکھ گیا تھا۔ شیر شاہ کی مملکت بہار سے پنجاب تک پھیل گئی تھی۔ اس کے ایک سرے پر بہار میں قلعہ رہتاس تھا۔ اس کے دوسرے سرے پر پنجاب میں گکھڑوں کی سرزمین پر شیر شاہ نے دوسرا قلعہ بنوایا تو اس کا نام بھی رہتاس رکھا۔ بالکل اسی طرح اکبر کی مملکت کے ایک کنارے پر کٹک تھا، دوسرے کنارے کا نام اس نے اٹک رکھا۔ یہاں کشتیاں چلانے اور دریا پار کرانے کے لیے اکبر بنارس سے ملاح لایا اور اس خیال سے کہ وہ اب اسی جگہ کو وطن سمجھیں، اس چھوٹے سے شہر کو اٹک بنارس کا نام دے دیا گیا۔ ملاحوں کی گزر بسر کے لیے جاگیر اور رہنے کے لیے شہر میں ایک محلہ دیا گیا جو ملاحی ٹولہ کہلاتا ہے اور جہاں پرانے ملاحوں کی آل اولاد اب تک آباد ہے۔

اس کے پاس جہانگیر کے زمانے کی سرائے ہے۔ بہت بڑا احاطہ ہے جس کے گرد مسافروں کے لیے سینکڑوں کمرے ہیں۔ اس کے بعد کلکتے تک اتنی اچھی حالت میں کوئی سرائے نظر نہیں آئی۔

خود قلعے کا قصہ یہ ہے کہ مغلوں سے اسے کابل والوں نے چھینا، کابل والوں سے اسے سکھوں نے چھینا، انگریزوں نے سکھوں سے چھینا، سکھوں نے دوبارہ انگریزوں سے چھینا، انگریزوں نے دوبارہ سکھوں سے چھینا۔ اس چھینا جھپٹی کے باوجود یہ قلعہ آج تک کھڑا ہے اور جو اس سے بھی زیادہ مستعدی سے کھڑا ہے وہ دریا پار پنجاب کے علاقے میں داخل ہونے والی گاڑیوں کی تلاشی لینے والا کسٹم اور ایکسائز کا عملہ ہے۔

ہمیں یاد ہے کسی زمانے میں جب ہم جیسے چھوٹے لوگ لنڈی کوتل سے غیر ملکی کپڑا، بلیڈ، صابن اور سگریٹیں لے کر لوٹتے تھے تو اس جگہ تلاشی میں پکڑے جاتے تھے۔ اس زمانے میں بڑے لوگ اللہ جانے کیا کیا لے کر لوٹتے ہیں اور اس جگہ سے صاف نکل جاتے ہیں جبکہ آج بھی چھوٹے

ہی لوگوں کی ٹٹولی جاتی ہیں۔

راستے میں حسن ابدال کا پڑاؤ تھا۔ کبھی یہ شہر اتنا دلکش رہا ہو گا کہ مغل مورخ لکھتے ہیں کہ لاہور سے کابل جانے والی شاہ راہ پر یہ حسین ترین منزل ہے مگر آج کے حسن ابدال میں جھرنوں کے شور اور چڑیوں کی چہکار سے زیادہ جو چیز گونجتی ہے وہ سڑک کی دونوں طرف ہوٹلوں کے لاؤڈ سپیکر ہیں جن پر دن رات فلمی گانے بجا کرتے ہیں۔ ہوٹلوں کے مالکوں کا خیال ہے کہ جس کے لاؤڈ اسپیکر کی آواز زیادہ اونچی ہو گی اس کے ہاں گاہک بھی زیادہ آئیں گے۔ اُس روز رمضان کی وجہ سے گانا بجانا بند تھا، شیطان کی طرح! اس میں شک نہیں کہ حسن ابدال رونق کی اور عبرت کی جا ہے۔ دونوں طرف انگریزوں کے زمانے کے اونچے اونچے درخت، دُور تک سبزہ، نالیوں میں بہتا ہوا چشمے کا شفاف پانی، اِدھر اُدھر پرانی عمارتیں اور مسجدیں، ایک طرف سکھوں کا مشہور گوردوارا پنجہ صاحب، دوسری طرف باباولی قندھاری کی چلہ گاہ۔ کشمیر کی طرف مڑ جانے والی سڑک پر کسی مغل بی بی کی قبر۔ کوئی کہتا ہے کہ اکبر کی بیٹی لالہ رخ تھی وہ یہاں عالم شباب میں مر گئی تھی۔ بعد میں طامس مور نے اپنی ایک نظم میں اسے زندہ کر دیا۔

یہیں قلعہ اٹک کے معمار خواجہ شمس الدین خوافی کا مقبرہ ہے جو اس نے اپنی زندگی میں تعمیر کرایا تھا مگر وہ کہیں دُور مرا اور یہاں دفن ہونا نصیب نہ ہوا۔ اس کے برعکس اکبر کے چہیتے مصاحب اور محرم راز حکیم ہمام نے کہیں دُور وفات پائی لیکن بادشاہ کے حکم پر اس کی میت حسن ابدال لے جا کر اس کے بھائی حکیم ابوالفتح گیلانی کے پہلو میں دفن کی گئی۔ حسن ابدال کے قریب اس مغل باغ کے آثار اب بھی موجود ہیں جس کے تالاب سے جہانگیر نے مچھلیاں پکڑی تھیں اور ان کی ناک میں موتی پرو کر پھر پانی میں چھوڑ دیا تھا۔

یہیں وہ بڑی سی چٹان ہے جس کے بارے میں سکھوں کا عقیدہ ہے کہ اسے باباولی قندھاری نے پہاڑی کے اوپر سے لڑھکا دیا تھا اور نیچے بابا گرونانک نے چٹان کو اپنے ایک پنجے پر روک لیا تھا۔ چٹان پر نانک کے پنجے کا نشان بن گیا تھا جو آج تک موجود ہے۔

تاریخ کا حساب کتاب رکھنے والے کہتے ہیں کہ جب گرونانک پشاور جاتے ہوئے حسن ابدال آئے تھے، باباولی قندھاری اس سے بہت پہلے نہ صرف حسن ابدال سے بلکہ اس عالم فانی سے کوچ کر چکے تھے۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ پانچ انگلیوں کا یہ نشان حسن ابدال والوں نے تراشا تھا۔

حسن ابدال سے آگے بڑھیں تو واہ چھاؤنی ہے۔ وہاں مغلوں کے دور کی بہت بڑی باولی ابھی تک اچھی حالت میں موجود ہے۔ کسی زمانے میں لوگ، اُن کے مویشی اور ہاتھی گھوڑے باؤلی کی سینکڑوں سیڑھیاں اتر کر سیراب ہوا کرتے تھے۔ اب لوگ یہ مشقت نہیں کرتے بلکہ پمپ کے ذریعہ پانی کھینچ لیتے ہیں۔

واہ سے آگے سرائے کالا ہے۔ جی ٹی روڈ پر یہ چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں کالے پتھر کی کونڈیاں فروخت ہوتی ہیں۔ ان کے باہر کے کناروں پر بیل بوٹے کھود کر ان میں رنگ بھر دیا جاتا ہے اور پھر اوپر تلے چن کر ان ہانڈیوں کے مینار سے کھڑے کر دیے جاتے ہیں۔ یہی سرائے کالا کی پہچان ہے۔

ظاہر ہے کہ کبھی اس جگہ مسافروں کے لیے سرائے رہی ہو گی۔ جہانگیر نے بھی یہاں پڑاؤ ڈالا تھا۔ اُس وقت اِس جگہ کا نام کالا پانی تھا۔

جہاں یہ سرائے کالا ہے وہاں سے صرف چند کلو میٹر دور ٹیکسلا کے کھنڈر ہیں۔ وہی ٹیکسلا جو ہندوستان کے تاج میں ایسے نگینے کی طرح جڑا تھا جس سے پھوٹ کر گیان دھیان کی کرنیں ایک عالم کو منور کیا کرتی تھیں۔ وہ شہر اب یہیں آنکھیں موندے سو رہا ہے۔

سرائے کالا سے چار میل آگے مرگلہ کی پہاڑی دیوار بن کر کھڑی ہے۔ پہاڑی میں ایک کٹاؤ ہے لیکن اُس دن میں سوچنے لگا کہ اس پچیس تیس ہاتھ چوڑے پہاڑی شگاف کے راستے سے ہزاروں برسوں کے دوران ان گنت قبیلے، قافلے اور لاؤ لشکر گزرے ہوں گے۔ چین، افغانستان، وسطی ایشیا، ایران اور ایشائے کوچک سے چاہے ایک تنہا مسافر آیا ہو چاہے ایک لشکر جرار، وہ سب مرگلا کے اس کٹاؤ پر چڑھے ہوں گے اور اوپر پہنچ کر انھوں نے دوسری طرف کا نظارہ کیا ہو گا تو تاحدِ نگاہ ہندوستان ہی ہندوستان دکھائی دیا ہو گا۔ مرگلہ کا یہ تاریخی کٹاؤ ابھی موجود ہے جسے دیکھنا ہو فوراً جا کر دیکھ لے کیوں کہ پہاڑی پتھر کاٹ کاٹ کر فروخت کرنے والے بیوپاریوں کی جدید مشینیں اس پہاڑی پر اس طرح ٹوٹی پڑ رہی ہیں جیسے قند کی ڈلی پر بھوکی چیونٹیاں۔

بعد میں جب انگریزوں نے گرینڈ ٹرنک روڈ کی تعمیر شروع کی تو انجینئروں نے اس کٹاؤ سے ہٹ کر پہاڑی میں گہرا درہ کاٹ دیا۔ اس سے آنا جانا آسان ہوگیا۔ البتہ بلندی پر اس سڑک کے آثار ابھی موجود ہیں جو غالباً اکبر نے بنائی تھی تاکہ کابل پر حملے کے لیے یہاں بھاری توپیں آسانی سے چڑھائی جاسکیں۔ اس درے کے اوپر پہاڑی کی چوٹی پر نکلسن کی لاٹ میلوں دور سے نظر آنے لگتی ہے۔

یہ اُسی نکلسن کی یادگار ہے جسے سرکش پٹھانوں کے علاقے کا منتظم بنا کر بھیجا گیا تھا اور کہتے ہیں وہ پٹھانوں میں نہ صرف مکمل مل گیا تھا بلکہ ایسی کرامات دکھانے لگا تھا کہ بنوں اور کوہاٹ والے اسے گوراپیر ماننے لگے تھے۔

مگر پھر اس کا بلاوہ آگیا۔ ۱۸۵۷ء میں جس برطانوی فوج نے دہلی کا محاصرہ توڑا اس میں نکلسن آگے آگے تھا۔ لاٹ کے نیچے لگی ہوئی تختی پر لکھا ہے کہ اس چڑھائی میں وہ زخمی ہوا اور آٹھ دن بعد چل بسا۔

اس پرانی تختی کے نیچے اب ایک نئی تختی لگی ہے جس پر لکھا ہے:

”نکلسن کو ۱۸۵۷ء میں دہلی میں مجاہد آزادی، کالے خان نے مارا تھا۔“

کسے خبر تھی کہ گوراپیر کالے خان کے ہاتھوں مارا جائے گا۔

چھوٹے بچے جو تمام عالم سے بے خبر، تمام زمانے سے بے نیاز آج بھی ہاتھوں میں ہاتھ دیے اپنے کھیل میں مگن تھے۔

میں نے دعا مانگی کہ یہ ہاتھ کبھی نہ چھوٹیں، ہمسائیگی کے یہ رشتے کبھی نہ ٹوٹیں۔ یہ گلیاں یوں ہی آباد اور ان میں کھیلتے ہوئے بچے یوں ہی شاد رہیں۔

(جرنیلی سڑک)

**رضا علی عابدی**

رضا علی عابدی نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں صحافت اور براڈکاسٹنگ میں خوب نام کمایا۔ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں انھیں وطن عزیز کے طول و عرض کے اسفار کرنے پڑتے۔ انھی سفری ڈاکیو منٹریز کو انھوں نے سپرد قلم کیا اور یوں "جرنیلی سڑک" کے نام سے ایک خوب صورت دل چسپ اور معلوماتی تصنیف وجود میں آئی۔ رضا علی عابدی نے برصغیر کی معروف تاریخی شاہراہ جی ٹی روڈ اور دریائے سندھ کے کنارے کیے گئے اسفار کو روداد وں کی صورت میں پیش کیا۔ اس دوران وہ اپنے زور قلم سے قاری کو زمانۂ ماضی کی سیر کراتے ہوئے زمانہ حال تک کمال مہارت سے سیر و تفریح کراتے ہیں اور وطن عزیز کے مختلف خطوں، حصوں، علاقوں، شہروں اور قصبوں کی تاریخی، ثقافتی، علمی ادبی، مذہبی پس منظر سے آگاہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ سفر کی روداد لکھتے ہوئے وہ ایک "داستان گو" کا روپ دھار لیتے ہیں جو اپنے مخاطب یعنی قاری کو ہمہ وقت اپنی طرف متوجہ رکھتا ہے۔ رضا علی عابدی نے "جرنیلی سڑک" میں نہایت سادہ، رواں اور سلیس انداز اختیار کیا ہے۔ اس سے قاری ان کی تحریر اور جملہ سازی سے لطف اندوز ضرور ہوتا ہے لیکن اسلوب کے شکوہ میں گم نہیں ہوتا اور خود کو مصنف کے ساتھ ساتھ سفر کرتا محسوس ہوتا ہے۔

رضا علی عابدی نے تہذیبی و ثقافتی موضوعات پر متعدد مضامین لکھنے کے ساتھ فن افسانہ نگاری میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی دیگر تصانیف میں اردو کا حال، تیس سال بعد، جانے پہچانے، چوری چوری، پکے چکے، شیر دریا، قاضی کا اچار، کمال کے آدمی، چھپا میری امی، چھ ہزار تنک سیل، کتابیں اپنے آباکی، ہمارے کتب خانے قابل ذکر ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بھی انھوں نے خصوصی طور پر قلم اٹھایا ہے۔ اس سلسلے میں دلچسپ مضامین اور کہانیاں بھی تحریر کی ہیں۔

رضا علی عابدی ۳۰ دسمبر ۱۹۳۵ء کو بھارت کے علاقے اترا کھنڈ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کی اور پاکستان کے شہر کراچی کو اپنا مسکن بنایا۔ آغاز میں روزنامہ "حریت" کے ساتھ منسلک ہو کر اپنی صحافیانہ زندگی کا باضابطہ باقاعدہ آغاز کیا۔ کل تیس کتابیں تصنیف کیں جن میں نصف کے قریب تصانیف کے مخاطب بچے ہیں۔ ۶ نومبر ۲۰۱۳ء کو اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور نے انھیں پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری بھی عطا کی۔ روزگار کے سلسلہ میں انگلستان کے عالمی نشریاتی ادارے بی بی سی کے ساتھ وابستہ ہو کر لندن چلے گئے اور ۱۹۷۲ء سے ۲۰۰۸ء تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اپنے ریڈیائی دستاویزی پروگراموں کی وجہ سے انھوں نے خاصی شہرت پائی اور انھی دستاویزی پروگراموں کو بعد میں کتابی شکل دے کر شائع کروا دیا۔ آپ کو اردو، سندھی، عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔

## مشق

۱۔ سبق "لڑی میں پروئے ہوئے منظر" کی سفری روداد پڑھیں۔ اس میں مصنف نے ایک بڑی سڑک کے کنارے واقع مختلف شہروں کی معلومات کو اپنے اسلوب اور بیان کے ساتھ دلچسپ بنا کر لکھا ہے۔ آپ اس تحریر کی مانند اپنے کسی پسندیدہ علاقے کی تفصیلات کی تفہیم، تجزیہ اور موازنہ کرتے ہوئے انھیں اس انداز میں اپنے ساتھی طلبہ کے سامنے بیان کریں کہ ان مقاصد کی ترجمانی ہو سکے۔

۲۔ آپ کے سکول میں مختلف تقاریب کا انعقاد کیا جاتا ہے یا مخصوص قومی دنوں مثلاً یوم آزادی، یوم پاکستان، یوم دفاع کے حوالے سے ملکی سطح پر معتبر شخصیات کو دعوت نامے یا تہنیت نامے ارسال کیے جاتے ہیں۔ سکول کی متعلقہ فائلوں میں مرتب شدہ یہ دعوے نامے، تہنیت نامے حاصل کریں اور ان کے متن کو بہ غور پڑھ کر ان کے مقاصد و تحریر کی اہمیت سے واقفیت حاصل کریں۔

**دعوت نامہ**

دعوت نامہ کسی موقع کی مناسبت سے تیار کیا جاتا ہے مثلاً اسکول کا کوئی پروگرام، گھریلو پروگرام، سالگرہ، شادی، کانفرنس، سیمینار، مشاعرے وغیرہ کے لیے دعوت نامے میں پروگرام میں شرکت کے لیے کسی کو مدعو کیا جاتا ہے۔

دعوت نامے میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔

۱۔ تقریب کا مناسب عنوان، کب؟ کہاں؟ کس لیے؟

۲۔ مدعو افراد کے نام، عہدے

۳۔ تقریب کی جھلکیاں۔

۴۔ شرکت کی درخواست۔

۵۔ دعوت دینے والے کا نام اور عہدہ وغیرہ

**دعوت نامہ**

**اسلام آباد ماڈل کالج برائے طالبات اسلام آباد**

محترم جناب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم

الحمد للہ! کالج ہذا کے شعبہ اُردو کی "بزم ادب" کی جانب سے "اُردو ہے جس کا نام" کے عنوان سے ایک مباحثے کی تقریب کا انعقاد کیا جا رہا ہے۔ جس کی صدارت ڈائریکٹر تعلیمات جناب کامران مجید کریں گے۔ پروگرام کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مورخہ: 25 جنوری 2024ء بروز جمعرات، بوقت: 10:00 بجے صبح

بمقام: کالج آڈیٹوریم

آپ سے گزارش ہے کہ اپنے ادارے سے ایک طالب علم مباحثے میں شرکت کے لیے نہ صرف بھیجیں بلکہ خود بھی تشریف لائیں۔

منجانب: پروفیسر اسلم قریشی

(انچارج بزم ادب)

۳۔ سبق ''لڑی میں پروئے ہوئے منظر'' کو آپ نے پڑھا جس میں ایک عظیم شاہراہ اور اس کی تعمیر کی اہمیت و افادیت بیان کی گئی ہے۔ استاد محترم/استانی صاحبہ کی رہنمائی میں وسط ایشیائی ممالک کی تجارت کے مسائل اور بحیرہ عرب تک رسائی کے حوالے سے مختلف اخبارات سے مواد اکٹھا کریں۔ اس تناظر میں عالمی مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے اُن کے حل کی تجاویز پیش کریں۔

۴۔ اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ کی رہ نمائی میں اس کتاب کے مندرجات کے حوالے سے ایک برقی مکتوب (ای میل) تشکیل دیں اور اُسے اس کے پبلشر زیعنی نیشنل بک فاؤنڈیشن کے ای میل ایڈریس پر بھجوائیں۔

**۵۔ سفر نامہ، رُوداد (معلوماتی رپورٹ)، آپ بیتی اور یادداشت میں فرق۔**

**i۔ سفر نامہ:**

سفر نامہ نگاری اردو ادب میں ایک جدید صنف کی حیثیت سے اپنی شناخت بنا چکی ہے۔ سفری مشاہدات، تجربات اور وہاں کی تہذیب، تاریخ، معاشرتی زندگی اور دیگر اقدار کی بنیاد پر مرتب کردہ روداد سفر نامہ نگاری کہلاتی ہے۔ سفر نامہ نگاری دنیا کے ہر ادب کی ایک اہم صنف رہی ہے۔ جب کوئی سفر کے لیے اندرونِ ملک یا بیرونِ ملک نکلتا ہے تو وہ اپنے سفر کے تمام حالات و واقعات کو قلم بند کرے تو ایسی تحریر کو سفر نامہ کہتے ہیں۔ سفر نامہ کسی علاقے، خطے یا ملک کی تاریخ، جغرافیہ، تہذیب و تمدن اور معاشی و معاشرتی حالات کی عکاسی کرتا ہے۔ یعنی سفر نامہ نگار ایک اجنبی سیر کے دوران تحیر اور تجسس کی جس کیفیت سے گزرتا ہے اسے افسانوی رنگ دے کر دلچسپ اور معلومات افزا بنا کر قاری تک پہنچ جاتا ہے۔

اردو ادب میں یہ صنف دورِ جدید میں ترقی یافتہ شکل میں ابھر کر سامنے آئی ہے۔ اُردو زبان کا پہلا سفر نامہ نگار یوسف کمبل پوش ہے۔

**ii۔ رُوداد:**

کسی تقریب، اجلاس، مشاعرے یا حادثے کی صورت حال اور کیفیت یعنی جو کچھ وہاں پیش آیا، اسے قلم بند کرنا رودادکہلاتا ہے۔ ''روداد'' فارسی زبان کا لفظ ہے جسے انگریزی میں Reporting کہتے ہیں۔ میٹرک کے طلبہ و طالبات کو جس روداد نگاری سے آگاہی دینا مقصود ہے وہ کالج میں منعقد ہونے والے کسی مباحثے، مشاعرے، مذاکرے یا جلسے کی کارروائی کو تحریر کرنا ہے۔ رُوداد میں کارروائی کو اپنے مشاہدے کی بنیاد پر انتہائی اختصار کے ساتھ جامع انداز میں پیش کرنا ہوتا ہے۔

**iii۔ اداریہ:**

اداریہ
آئی ایم ایف سے معاہدہ

اداریہ (editorial) ایک ایسے مضمون کو کہتے ہیں جو اخبار یا رسالے کے ادارتی عملے کے کسی تجربہ کار، کارکن یا ناشر کا تحریر کردہ ہو۔ اکثر اداریوں میں حالات حاضرہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ مختلف واقعات کا مربوط تجزیہ کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اداریوں کو مختلف مسائل اور حالات و اقعات کے حوالے سے کسی اخبار یا رسالے کی ذاتی رائے یا پالیسی بھی کہا جاسکتا ہے۔

**iv۔ رپورٹ:**

تحریر کے ذریعے پیش آنے والے واقعات، حادثات کو علمی، ادبی اور فنی خوبیوں کے ساتھ پیش کرنا رپورتاژ کہلاتا ہے۔ گویا حقائق کو مسخ کیے بغیر ادبی اور فنی خوبیوں کے ساتھ چشم دید واقعات اور حالات پر مبنی تحریر کو رپورتاژ کہتے ہیں۔

**v۔ خبریں**

مقامی، ملکی اور عالمی سطح پر رونما ہونے والے حالات و واقعات اور حادثات، کھیل، فنون لطیفہ اور دیگر سماجی، ثقافتی، سیاسی جیسی سرگرمیوں کو نمایاں کر کے خبر کی صورت میں پیش کرنے کو نیوز سٹوری کہتے ہیں۔ نیوز سٹوری میں متعلقہ خبر کی تفصیلات اور تصاویر بھی پیش کی جاتی ہیں۔

- "پاکستان میں تعلیم کا گرتا ہوا معیار" کے موضوع پر اپنے شہر کے قریبی تعلیمی اداروں کے طلبا و طالبات سے آرا اکٹھی کریں اور ان سے ایک نیوز سٹوری، آرٹیکل یا فیچر ترتیب دے کر اخبار میں اشاعت کے لیے ارسال کریں۔ جہاں کہیں مشکل در پیش آئے اپنے استاد محترم / استانی صاحبہ سے رہ نمائی لیں۔
- سفر نامہ ایک غیر افسانوی صنفِ ادب ہے۔ سبق "لڑی میں پروئے ہوئے منظر" کو اس کے اسلوب اور بیان کو پیش نظر رکھ کر تفہیم، تجزیہ، موازنہ وغیرہ کے خاص مقاصد کے تحت پڑھیں۔ کسی تفریحی سفر کا احوال یا اسکول میں ہونے والی یوم آزادی کی تقریب کی رُوداد بھی لکھیں۔

## سرگرمیاں

۱۔ اخبارات، رسائل اور کتابوں میں تقریبات اور واقعات کی رُوداد کا بھی مطالعہ کریں۔ آپ اپنے دوستوں کے ساتھ کسی تاریخی یا پُر فضا مقام کی سیر کا پروگرام بنائیں۔ سفر سے واپسی پر اپنے استاد کی نگرانی میں اس تفریحی سفر کی رُوداد لکھیں اور اشاعت کے لیے کسی مقامی اخبار میں بھیجیں۔

۲۔ اپنی پسند کے کسی مقامی اُردو اخبار میں سے کوئی رسمی و غیر رسمی تحریر (کالم، خبر، رپورٹ، تبصرہ، تذکرہ، تجزیہ) وغیرہ غور سے پڑھیں، اس کی جزئیات کو سمجھیں اور اپنے ساتھی طلبہ کے ساتھ مختلف زاویوں، پہلوؤں سے اس پر تنقید و تبصرہ کریں۔

**ہدایات برائے اساتذہ کرام**

- طلبہ کو سفر نامہ، یادداشت، رُوداد نگاری، رپورتاژ کے حوالے سے تفصیل کے ساتھ اردو میں سفر نامہ نگاری سے روشناس کرائیں۔ مندرجہ ذیل اسلوب کے تحت لکھے گئے سفر ناموں کی ایک ایک تصنیف بھی طلبہ کو مطالعہ کے لیے تجویز کریں۔

۱۔ شمالی علاقہ جات

۲۔ مذہبی مقامات

۳۔ طنز و مزاح کے حامل سفر نامے